بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بیادگار حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ

اہلِ حدیث

نہ ہو نو امید، نو امیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے، خدا کے رازدانوں میں

دوسری قوموں کو اگر زندہ رہنے کے لئے اپنے اپنے مذاہب میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے۔ تو مسلمانوں کو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اپنی شریعت کو اور مضبوط پکڑیں اور قوانینِ اسلام کی اور شدت سے پیروی کریں۔

دوسری قوموں کی فلاح و بہبود اگر اپنے اپنے مذہب سے دوری اختیار کرنے میں ہے تو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا راز اپنے مذہب سے گرویدگی اور اتباع کامل میں مضمر ہے۔ لیکن مسلمان اپنے مذہب سے بُعد اختیار کر رہے ہیں۔ اور جو شئے ان کی ترقی، بہبود و فلاح کی ضامن ہے، اس سے رو گردانی کر رہے ہیں۔

(مولانا ابوالکلام آزاد)

مدیر
حکیم اجمل خاں

۶ر ستمبر ۱۹۸۵ء
۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

مولانا مختار احمد صاحب ندوی

ایک مردِ مومن کی وفات

افسوس میرے والد محترم حاجی محمد ضمیر صاحب اپنے وطن مالوف مئو، اعظم گڈھ میں ۲۸؍ اگست ۸۹ء کو مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

والد مرحوم ایک پختہ سلفی، راسخ العقیدہ، موحد، سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع اور احیاءِ سنت کے لئے نڈر مجاہد اور سلف صالح کے سچے نمونہ تھے۔ ان کے جذبۂ ایمانی کی صلابت اور عقیدے کی پختگی اور اتباعِ سنت کے لئے مرمٹنے اور ہر قسم کی قربانی پیش کر دینے کے پہاڑ جیسے مضبوط عزم کو دیکھ کر اچھے اچھے بدعتی علماء کے پسینے چھوٹ جاتے تھے۔ انہوں نے ساری زندگی مسلکِ سلف کے لئے جہاد میں گذار دی۔

وہ اپنے محلے میں تنہا اہلِ حدیث تھے لیکن پورے محلے پر حاوی اور بھاری تھے ان میں احیاءِ سنت کے لئے بڑی غیرت تھی۔ ہم جیسے نئی روشنی کے مولوی ان کے نزدیک ڈھیلے ڈھالے سمجھے جاتے تھے۔ وہ ہم لوگوں کے سامنے برملا کہا کرتے تھے کہ اتباعِ سنت میں جو تمسک مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری، مولانا عبد العزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا عبد الرحمن آزاد مئوی، مولانا ابو المعالی محمد [illegible]، مولانا حکیم محمد سلیمان صاحب مئوی، مولانا ابو القاسم صاحب محدث بنارسی وغیرہم رحمہم اللہ میں تھا وہ اب موجودہ دور کے نئے فارغ علماءِ اہلِ حدیث میں نہیں۔ اسی لئے وہ آخر عمر میں مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری مدظلہ کے سوا کسی اور عالم پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔

نماز باجماعت کے وہ بڑے پابند تھے۔ آخر عمر تک جب کہ کمزور مضمحل ہو گئے تھے پھر بھی کھڑے ہو کر کسی طرح جماعت کے ساتھ پنجوقتہ نماز پڑھا کرتے تھے۔

صحیح احادیث سے ثابت متروک سنتوں کا وہ خاص طور پر اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ مئو اور اطراف کی مسجدوں میں مغرب کی اذان کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا عام طور پر رواج نہیں ہے لیکن چونکہ وہ اس کی مسنونیت کی بابت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہ سے تحقیق کر کے مطمئن ہو چکے تھے۔ اس لئے عوام کے استنکار کے باوجود وہ تنہا جامع مسجد اہلحدیث مرزا ہادی پورہ مئو میں اسے عمر بھر پڑھتے رہے۔

دعا مانگنے کا مسنون طریقہ کیا ہونا چاہیے اس کی بابت وہ برابر علماء کو ٹوکتے رہتے تھے۔ مسلکِ سلف سے ان کو بڑی عقیدت اور بے انتہا وابستگی تھی اور کتاب و سنت پر ان کا تمسک قابلِ رشک تھا۔ وہ تمام سنتوں کو دانتوں سے پکڑے ہوئے تھے۔ مسلکِ حدیث کے اظہار میں وہ بڑے جری تھے۔

علماءِ اہلحدیث کے بڑے خدمت گزار تھے، ایک مرتبہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شرکت اور انکی مجالس سے فیض اٹھانے کیلئے ایک ماہ امرتسر جا کر مولانا مرحوم کی مسجد میں مقیم رہے۔

ایک زمانے میں مدرسہ محمدیہ محلہ کھید ورپورہ مئو میں مولانا ابو النعمان عبد الرحمن آزاد مئوی کا درسِ قرآن ہوا کرتا تھا۔ والد مرحوم روزانہ لمبی مسافت پیدل چل کر درس میں شریک ہوا کرتے تھے، اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ۹۳ سال کی عمر پانے کے بعد بھی آخر دن تک چلتے پھرتے رہے۔ اور اپنے بچوں پر ایک دن کیلئے بھی بوجھ نہیں بنے۔

ان کی وفات سے ایک ماہ قبل میں نے بمبئی میں خواب میں ان کو وفات پاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس خواب کے دوسرے دن مجھے سعودیہ عربیہ کا سفر کرنا تھا اس لئے اپنے منجھلے لڑکے مولوی اکرم مختار سلمہ کو ان کی خدمت میں روانہ کیا اور سعودیہ عربیہ سے واپس آتے ہی مئو کیلئے سیٹ ریزرو کرا لی اور اپنے اخوان و احباب کو اپنی آمد کی اطلاع خط اور تار سے کر دی۔ لیکن قبل اسکے میں اپنے پروگرام کے مطابق مئو پہنچوں وہ اچانک دو دن قبل ہی اپنے مولا سے جا ملے۔ اور ہونی والی بات ہو کر رہی۔ غفر اللہ لہٗ

انکی وفات کے ایک گھنٹہ بعد ہی مجھے مئو سے بذریعہ فون اطلاع مل گئی اور میں اپنی اہلیہ کے ساتھ فوراً ہی روانہ ہو گیا۔ والد مرحوم کی خوش قسمتی تھی کہ انکی نماز جنازہ ہم سب کے مخدوم و مربی حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری مدظلہ العالی نے پڑھائی جنازہ میں غیر معمولی طور پر ہر مذہب و فکر کے ہزارہا افراد نے شرکت فرمائی۔ اللہم انکی مغفرت فرمائے اور انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ انکی وفات کے بعد ملک بھر سے تعزیتی خطوط اور ٹیلیفون موصول ہوئے اور اشک ہو رہے ہیں ما شاء اللہ ہمارے خاندان کے جملہ خورد و کلاں کو صبر کی توفیق بخشے۔ اور مرحوم کی ایمانی غیرت عطا فرما۔

غمزدہ مختار احمد ندوی

حبیب الرحمٰن سلفی

مطلقہ عورت کا نان نفقہ ـــــ پارلیمنٹ میں بحث

پچھلے دنوں پارلیمنٹ کے اجلاس میں جناب غلام محمود بنات والا (مسلم لیگ) نے سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کے بعد، جو اس نے محمد احمد خاں بنام شاہ بانو بیگم (کریمنل اپیل ۱۰۳-۱۹۸۱) میں دیا ہے جس میں ایک مطلقہ مسلم خاتون کو اس کے خاوند سے "تاحیات" ۰/۰۰ د روپے ماہانہ نقد دینے کا فیصلہ سنایا ہے۔ اور ساتھ ہی حکومت ہند سے یکساں سول کوڈ بنانے کی سفارش بھی کی ہے۔ سی آر پی سی کی دفعہ ۱۲۵ میں ترمیم کے لیے پرائیویٹ بل لوک سبھا میں پیش کیا۔ بنات والا صاحب نے یہ ترمیم مسلم پرسنل لا کو کسی بھی مداخلت سے باز رکھنے کے لئے پیش کی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام میں عورت کے حقوق کا تحفظ پوری طرح موجود ہے۔ اسلامی قانون کے تحت ایک شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو صرف عدت کے دوران ہی نان نفقہ دینے کا مجاز ہے اور یہ مدت تقریباً تین ماہ ہوتی ہے۔

فاضل ممبر نے پارلیمنٹ کو بتایا ہے کہ ان دفعات کی وجہ سے پہلے بھی سپریم کورٹ "طاہرہ بی اور حسین علی" مقدمہ میں کہہ چکی ہے کہ اگر مسلمان مطلقہ عورت کو پرسنل لا کے تحت اطمینان بخش نان نفقہ نہیں ملتا تو وہ اپنی دوسری شادی یا موت تک نان نفقے کی دعویدار ہو جاتی ہے۔

سپریم کورٹ کی اس توجیہ نے کہ مسلم پرسنل لا اور سی آر پی سی کی دفعہ ۱۲۵ اور ۱۲۷ کے مابین کسی قسم کا اختلاف ہونے کی صورت میں مسلم پرسنل لا منسوخ ہو جائے گا۔ اور اس کی کوئی وقعت نہیں رہے گی اور تعزیرات ہند کی دفعات ہمیشہ حاوی رہیں گی، نے تو پارلیمنٹ کے وجود میں ہونے کا مقصد ہی فوت کر دیا ہے

مندرجہ وجوہات کی بنا پر فاضل ممبر نے پارلیمنٹ سے اپنی پیش کردہ ترمیمات کو قبول کرنے کی سفارش کی ہے۔

اس ترمیم کی مخالفت میں ایک دوسرے مسلمان ممبر وزیر جناب عارف محمد خاں (کانگریس) نے ایک مدلل تقریر فرمائی ہے جس میں جا بجا قرآنی آیات اور دوسری کتابوں کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان مطلقہ عورت کو تاحیات یا نکاح ثانی تک نان نفقہ دیا جانا شرعاً جائز ہے۔ وزیر موصوف نے اپنی تقریر میں طلاق پر بھی بحث کی ہے جس میں انھوں نے طلاق بدعی (یکبارگی تین طلاق جسے فقہ حنفیہ جائز مانتا ہے) پر سخت جرح کی ہے اور واضح کیا ہے کہ لوگ شرعی طلاق پر عمل نہیں کرتے اور یکبارگی تین طلاق کو نافذ العمل قرار دیتے ہیں جس کا پروویژن قرآن میں نہیں ہے۔ لیکن کسی وقت میں بھی شرعی قانون کے کسی محافظ سے یہ نہیں سنا کہ اس طریقہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اس کا استعمال بند کر دیا جائے۔ مگر نفقہ کے خلاف جس کا ثبوت قرآنی آیات سے ملتا ہے شور مچا رہے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ لوگ حقوق کی وصولیابی میں تو تیز ہیں مگر فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کمزور!

فاضل وزیر نے یہ بھی کہا ہے کہ سپریم کورٹ کا یکساں سول کوڈ بنانے کا مشورہ غیر ضروری ہے۔ حکومت بار بار اس رائے کا اعادہ کر چکی ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی۔

پارلیمنٹ میں ہونے والی دونوں تقاریر کا مختصر سا خلاصہ ہم نے پیش کر دیا ہے۔ ہم نے انھیں بار بار بغور پڑھا ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فاضل ممبران کی ان تقاریر سے مسلم پرسنل لا کی رسوائی ہوئی ہے۔ ہندوستان کی سیکولر پارلیمنٹ میں، جہاں مسلم ممبران کی تعداد ہی کم ہے اور ان میں بھی مذہبیات میں دلچسپی لینے والے کتنے ہوں گے۔ زیادہ تر ممبران غیر مسلم ہوتے ہیں۔ وہاں ایک شرعی مسئلہ پر آپس میں اجتہادی بحث کرنا نہ صرف غیر مفید بلکہ خطرناک آمیز ہے اور بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ یہ بحث علماء کرام کے درمیان ہونی چاہیے جو ان حضرات نے فرمائی ہے جبکہ انھیں پارلیمنٹ میں یکساں سول کوڈ پر گفتگو کرنی چاہیے۔ اور پارلیمنٹ کو بتانا چاہیے کہ جب مسلمانوں کا اپنا اسلامی عائلی قانون موجود ہے تو حکومت کو ہندوستان کے آئین میں اقلیتوں کو دیے گئے تحفظات کی روشنی میں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے پرسنل لا میں مداخلت کرے۔ اور غیر مسلموں کے لئے بنائے ہوئے قانون ضابطہ فوجداری کی بعض دفعات کی آڑ لے کر انھیں مسلمانوں پر تھوپنا شروع کر دے۔

ان حضرات نے یہ ... تمام تر زور دار اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے ... شرعی قوانین کے خلاف فقہی قوانین ہوتے ہیں جن کو فقہائے کرام نے شرعی ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی خود ہی جاری کیا ہوا ہے۔ ہم ٹھیک اسی ... درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مسلمان صحیح نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں اور اسلام کے عائلی ضابطوں کا تحفظ چاہتے ہیں اور خود بھی کج بحثی سے بچنا چاہتے ہیں تو انھیں بلا حیل و حجت قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور فقہاء کی "تاویلات کے جنگل" سے نکل کر قرآن و حدیث کے مستقل ذکر اجتہاد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر وہ فقہی تاویلات اور حیل و حجت میں الجھے رہے تو پیچیدگیاں دن بدن بڑھتی رہیں گی۔

جناب عارف محمد خاں صاحب کی یہ بات کافی وزن دار ہے اور فقہی قوانین کے محافظوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ وہ قرآنی طلاق کے بجائے طلاق بدعی پر کیوں عمل کرتے ہیں۔ اور عدالتوں میں صرف ہدایہ کا حوالہ دے کر کیونکر ایک مجلس کی تین طلاق کو نافذ العمل قرار دیتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں طلاق کا یہ طریقہ موجود ہی نہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کو چونکہ فقہ حنفی کی کمزوریاں معلوم تھیں اس لیے انھوں نے ۱۹۲۸ء میں مسلم میرج ایکٹ بنتے وقت حکومت سے یہ درخواست کی تھی کہ شادی قانون میں اس بات کی گنجائش رکھی جائے کہ اگر حنفی فقہ میں دقت محسوس ہو تو وہاں شافعی و حنبلی فقہ استعمال کر لی جائے۔ اگرچہ یہ بھی پرانی ہی کے مترادف تھا۔ مگر کچھ نہ کچھ حقیقت پسندی ضرور تھی۔ مولانا مرحوم کو فقہ کے بجائے قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنے کی رائے دینی چاہیے تھی۔ کیونکہ فقہ میں ناقابل عمل اور خلاف عقل باتیں بھی لکھی ہوئی ہیں۔

مثلاً مفقود الخبر کے انتظار کی مدت فقہ حنفی میں نوے سال ہے۔ اور شافعی میں چار سال!

اللہ کے رسول نے اپنی امت کی عمریں "بین ستین و سبعین" فرمائی ہیں۔ مگر فقہ حنفی مفقود الخبر کا انتظار [illegible] کرانا چاہتا ہے اس تفقہ سے تو میاں بیوی صرف عالم بالا ہی میں مستفید ہو سکیں گے۔

نفقۂ مطلقہ اور اس کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیاں بھی فقہی موشگافیوں کا نتیجہ ہیں۔ انھیں موشگافیوں کی وجہ سے مسلمان سرکار سے لڑنے کے بجائے آپس میں دست و گریباں ہونے لگے ہیں اور بات مساجد، مدارس، مسانید سے گزر کر گلی کوچوں تک میں پہنچ گئی ہے۔

نفقۂ مطلقہ کی موشگافی اصل میں طلاق کے غیر شرعی طریقے سے شروع ہوتی ہے۔ فقہا حضرات، خصوصاً احناف چونکہ یکبارگی تین طلاق (طلاق بدعی) کے جواز کے قائل ہیں اسلئے وہ ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوئی عورت کو فوراً مطلقہ کی تعریف میں لے آتے ہیں۔ اور اس غریب کو مطلقہ کہہ کر عدت کے دوران نفقہ دلوانے کا احسان فرماتے رہے ہیں۔ حالانکہ طلاق قطعی کے بعد عدت کیسی! عدت کا سوال تو طلاق شرعی کی صورت میں پیدا ہوتا ہے جس میں خاوند نے تین طہر میں تین طلاقوں کا عمل پورا کیا ہو۔ اس عدت کے بعد ہی عورت مطلقہ قرار پائے گی۔ عدت کی تکمیل سے قبل اس سے بلا نکاح رجوع کیا جا سکتا ہے

ان ایام میں وہ گھر ہی میں ہے تو اس کا نفقہ بھی ہے اور عدت میں حکمت بھی یہی ہے کہ اس عرصہ میں تعلقات کی راہ نکل آئے۔ قرآن کریم میں صاف حکم موجود ہے کہ ایسی عورتوں سے یا تو رجوع کر لو۔ یا احسان کے ساتھ رخصت کر دو۔

بحث سے ظاہر ہوا کہ اصل میں فقہا، غیر شرعی طریقہ طلاق کی بنیاد پر ایسی عورت کو جو عدت گزار رہی ہے، جس کی قطعی طلاق ابھی نہیں ہوئی ہے مطلقہ کہتے ہیں۔ اور اس غریب پر احسان کر رہے ہیں کہ طلاق قطعی کے بعد بھی اسے تین ماہ تک نفقے سے نوازتے ہیں۔ جبکہ قرآن کریم کے مطابق مطلقہ کے لئے متاع بالمعروف و احسان و سلوک ہے۔ نہ کہ نفقہ! یہ احسان و سلوک اس مطلقہ کے لئے بھی ہے جسے ازدواجی تعلقات قائم ہونے سے پہلے ہی طلاق دی گئی ہو۔ اس لئے نفقۂ مطلقہ کا مسئلہ فقہا کے پیچ و خم میں الجھ گیا ہے۔ اسی نفقے کو ملا اور طیب جی نے اپنے محمڈن لا میں لکھ دیا ہے۔ مگر واقعی مطلقہ کو گھر سے رخصت کرتے وقت جس احسان و سلوک اور متاع بالمعروف کی تلقین متقین کو کی گئی ہے اس کا تذکرہ نہ تو فقہا نے کیا ہے اور نہ ہی ملا اور طیب جی نے!

یہ معاملہ تو ہمارے فقہا اور قانون دانوں کا رہا۔ جہاں تک حکومت ہند کے ضوابط کا تعلق ہے انھیں صرف ہندو سماج کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے۔ اس میں ایک مطلقہ عورت کو تاحیات یا تا نکاح ثانی سابقہ شوہر کی بیوی تسلیم کیا گیا ہے۔ مرد اسے تاحیات یا تا نکاح ثانی گذارہ الاؤنس دیگا اور مطلقہ عورت سابق شوہر کے [illegible] رہے گی مطلقہ کی یہ تعریف اور ضابطہ نہایت رسوا کن ہے اور خود عورت کے لئے بھی توہین آمیز ہے۔ چونکہ ہندو دھرم میں بیوی کی منتقلی ممنوع ہے۔ اور تعدد بیوگان کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ اس لئے یہ قانون اسی روح کا آئینہ دار ہے۔ یہ قانون جہاں ہندو عورتوں کے لئے ہتک آمیز ہے وہاں مردوں کے لئے بھی پریشان کن ہے۔ شادی کے بعد تین سال تک تو طلاق ہی نہیں۔ پھر طلاق دینے کے بعد بھی وہ ایک گلے کا ہار بنی رہے گی۔ اور وہ اس کا خرچ دیتا رہے گا۔ اسی سبب سے ہندوؤں نے عورتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کیا۔ اور محض طلاق کی خاطر انھیں اپنا دھرم بدلنا پڑا۔ اس … نے ہمیں اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ اس بارے میں دو غلطیاں ہیں۔ پہلی تو فقہا حضرات نے فرمائی ہے۔ انھوں نے جس نفقہ کا ذکر کیا ہے وہ مطلقہ کا نفقہ نہیں بلکہ اس عورت کا نفقہ ہے جو طلاق کے عمل سے گزر رہی ہے، جو لازمی ہے، کیونکہ اس کے لیے قرآن میں نص موجود ہے۔ جو عورت ابھی بیوی کی تعریف سے خارج ہی نہیں ہوئی ہے، ابھی گھر ہی میں رہ رہی ہو، تو ظاہر ہے اس کے مصارف شوہر ہی برداشت کرے گا۔ وہ سابق کی طرح رہے گی۔ سوال واقعی مطلقہ کا ہے جس کے لئے احسان و سلوک اور متاع بالمعروف کی تلقین متقین کو کی گئی ہے۔ اس کا فقہا نے تذکرہ نہیں کیا جبکہ احسان و سلوک اور کچھ دینے کے سب قائل ہیں اور قرآن میں صریح حکم موجود ہے اس لئے انکار کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے۔

ہندوستان کے مروجہ محمڈن لا میں بھی اسی عورت کا نفقہ ملتا ہے جسے طلاق دی جا رہی ہو، مگر واقعی مطلقہ کے ساتھ احسان و سلوک کا کوئی تذکرہ نہیں

دوسرے یہ کہ حکومت ہند کے قانون سی آر پی سی میں مطلقہ عورت کی تعریف ہی غلط ہے۔ اسلام میں مطلقہ عورت بیوی کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہے

اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں رہتا، نہ وہ شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔

عدالتیں، مسلمانوں کے عائلی مقدمات میں جس قدر فیصلے کرتی ہیں، اسی تعریف کو سامنے رکھ کر کرتی ہیں، جو قطعاً غلط ہے۔ اس میں مسلمانوں کیلئے لازمی طور پر استثنا مطلوب ہے۔ غیر مسلم اپنے عائلی ضابطوں کو جس طرح چاہیں رکھیں، لیکن اسلامی ضابطوں کو اس سے الگ ہونا چاہیئے۔ ورنہ یہ مداخلت برابر ہوتی رہے گی۔

ان دونوں خامیوں کی وجہ سے مسلم پرسنل لاء کے ساتھ آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔ اور خود مسلم پرسنل لا غیر ضروری طور پر بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔

فقہائے کرام کا حال یہ ہے کہ وہ مسائل میں عقلی، قیاسی گھوڑے دوڑاتے دوڑاتے انہیں بحر ظلمات میں لے جا کر ڈال دیتے ہیں، پھر حیلوں اور بہانوں کے ذریعہ انہیں نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی نکال پاتے ہیں اور کبھی نہیں۔

مہر اور طلاق کی درجنوں قسمیں وضع کر رکھی ہیں۔ نان نفقہ اور سکنی پر خوب رائے زنی فرماتے ہیں، متاع کی بھی کئی قسمیں بتاد کی ہیں کوئی صورت ایسی نہیں کہ ان کی روشنی سے صحیح راستہ مل جائے اور مسلمان سیدھا راستہ پا سکیں۔

ان حالات میں ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں۔ لیڈران کا فرض تو یہ ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں پارلیمنٹ یا سرکار سے صرف اصولی گفتگو کریں کہ وہ ہمارے شخصی قوانین میں مداخلت سے باز رہے، اور تمام چور دروازوں کو بند کر دے، اور وہ خود شرعی مسائل میں اجتہادی بحث اور رائے زنی سے باز رہیں۔ اور علمائے کرام کا یہ فرض ہے کہ وہ ضد، تعصب، تصلب، ہٹ دھرمی، اور اپنے پسندیدہ فقہوں کی بالادستی قائم کرنے کی عادت چھوڑ دیں، اور معاملات میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھیں۔ اس کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں، اور اتفاق رائے سے نتائج پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش کی شاندار مثال

احمد آباد میں طلاق سیمنار کی شکل میں قائم ہو چکی ہے جس میں تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے بحث میں حصہ لیا، اور ایک نتیجے پر پہونچ کر طلاق بدعی کے نفاذ کے خلاف فیصلہ دیا۔ اور طے کیا کہ اس کا نفاذ نیت معلوم کرنے پر کیا جائے گا۔ پاکستان اور بعض اسلامی ممالک میں بھی طلاق بدعی کے نفاذ کو علمائے کرام کے متفقہ فیصلے کی روشنی میں روک دیا جا چکا ہے۔ وہاں شرعی حکم کے فیصلے کے بغیر کوئی طلاق نافذ العمل نہیں ہوتی، اور یکبارگی تین طلاق ایک ہی متصور ہوتی ہے۔ نفقہ اور دوسرے عائلی معاملات میں بھی شرعی حکم فیصلہ دیتے ہیں۔

ہندوستان میں آج کل نفقہ مطلقہ بہت زور سے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ تمام حضرات اس کے سیاسی پہلو کو سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ اور اسی روشنی میں اپنی تحقیقات پیش کر رہے ہیں، جو عام مسلمانوں کے لئے اطمینان بخش نہیں ہیں۔ مطلقہ کے لئے تو شریعت اسلامیہ میں کسی نفقے کا ثبوت نہیں! لیکن احسان سلوک اور متاع بالمعروف کی تلقین موجود ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا نفقہ لازمی چیز ہوتی ہے، مگر احسان و سلوک اختیاری! اور ظاہر ہے کہ یہ مسائل متقین کیلئے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے نہیں جو فاسق و فاجر ہوں۔ اور شریعت کا کوئی لحاظ پاس ہی نہ رکھتے ہوں۔ متقین حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ وہ اپنی مطلقہ بیویوں کے ساتھ غیر اسلامی سلوک نہیں کر سکتے مطلقہ کے ساتھ احسان و سلوک کی کیا صورت ہو گی، اس کی تعداد کیا ہو، وہ کن حالات میں دیا جائے، کس طرح دیا جائے۔ ادائیگی کا طریقہ کیا ہو؟ یہ اجتہادی مسئلہ ہے جس پر مستند علمائے کرام کا بورڈ غور کرے اور کسی نتیجے پر پہنچ کر اسے قانونی شکل دلائے۔ معاملات میں اجتہاد جب فقہائے کرام ساتویں یا آٹھویں صدی تک کر سکتے ہیں جنہیں آپ کتاب و سنت سے بھی

اوپر رکھتے ہیں، تو آج اجتہاد کیوں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے طریقہ طلاق اور مطلقہ کے ساتھ احسان و سلوک دونوں مسائل میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ضروری ہے۔ اور اسی فیصلے کی روشنی میں قانون بننا ہے۔ اور کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ان خواتین کا فیصلہ شرعی عدالت یا حکم کے ذریعہ کرایا کریں۔ یا سرکاری عدالتوں کے ذریعہ ہو تو جج مسلمان ہو۔ پھر بھی بہتر طریقہ یہی ہے۔ کہ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کا امارتی شرعی نظام قائم ہو۔ اور مسلم پرسنل لا کے مسائل انہیں امارتوں کے ذریعہ فیصل ہوں، تاکہ مسلمان یکساں طور پر اسلام کے شرعی قوانین اور عائلی ضابطوں سے مستفید ہو سکیں۔

حکیم اجمل خاں

مولانا حکیم عبدالشکور مرحوم ومغفور

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کو انگریز غدر کا نام دیتا تھا۔ اور ہندوستانی اپنے ملک کو برٹش سامراج کے پنجے سے آزاد کرانے کی کوشش کہتے تھے۔ اس کوشش میں جو بالآخر ناکام ہوئی تھی مسلم حریت پسندوں کا بہت نقصان ہوا جیسے والد مرحوم حضرت مولانا حکیم عبدالشکور صاحب کے دو دادا وزیر خاں و میر خاں انگریز دشمنی و بغاوت پھیلانے کے الزام میں ان کے آبائی وطن نوح میں ۲۰ دوسرے آدمیوں کے ساتھ پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ اور تمام جائداد زرعی و سکنی بحق سرکار انگلشیہ ضبط کر کے غداران قوم کو انعام میں دے دی گئی۔ اس خاندان کا جب کوئی سہارا نہ رہا تو پردادا مرحوم عبداللہ خاں آبائی قصبہ کو چھوڑ کر اپنی بہن کے پاس فیروز پور نمک میں جاکر آباد ہوئے

والد مرحوم ۱۸۷۶ء میں اسی گاؤں میں پیدا ہوئے

تعلیم

والد مرحوم کی ابتدائی تعلیم یعنی ناظرہ قرآن مجید فیروز پور نمک میں ہوئی۔ جہاں انھوں نے حافظ خدا بخش مرحوم سے قاعدہ بغدادی اور پارہ عم پڑھا تھا اس کے بعد وہ فیروز پور نمک کے ان بارہ طلبا کے ساتھ جو دہلی جاکر پہلے پہل حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب کاندھلوی کے مدرسے واقع مسجد بنگلے والی نظام الدین دہلی میں داخل ہوئے تھے۔ دہلی کے لئے عازم سفر ہوئے۔ جہاں والد صاحب نے قرآن مجید اور ابتدائی کتابیں حضرت مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اور ان کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد صاحب سے پڑھیں۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ (بانی جماعت تبلیغ) سے والد صاحب کا تعلق اسی زمانہ میں پیدا ہوا۔

فیروز پور نمک میں میرے والد صاحب کے پھوپھا مرحوم جناب اسمٰعیل صاحب بہت ہی ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ ان طلبہ کے تعلق سے وہ کبھی مسجد بنگلے والی نظام الدین دہلی میں آتے جاتے تھے۔ اور اسی ربط سے پہلے مولانا محمد صاحبؒ اور بعد میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی آمد و رفت فیروز پور نمک میوات میں شروع ہوئی۔ جہاں سے تبلیغی کام کی ابتدا ہوئی۔ جو بالآخر ایک بین الاقوامی دینی تنظیم بن گئی۔

والد صاحب مسجد بنگلے والی کے بعد مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی میں داخل ہوئے۔ جہاں انھوں نے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی۔

انھوں نے بتایا کہ وہ حضرت سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ کے رحلت کے وقت دہلی میں تھے۔ اور مرحوم کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ اس دن دہلی میں یہ شور پڑا کہ دہلی کا سب سے بڑا عالم انتقال کر گیا ہے۔

طب کی تعلیم انھوں نے لکھنؤ جاکر حاصل کی۔ وہ حکیم عبدالرحمٰن رعب صاحب کے شاگرد رہے تھے۔

وہ مطالعہ، انشاء پردازی اور سیاحت کا بھاری شوق رکھتے تھے۔ کثرت مطالعہ نے ان کی معلومات کو ہر جہتی بنا لیا تھا۔ وہ ہر قسم کی کتابیں پڑھتے۔ مگر مذہب و تاریخ سے زیادہ دلچسپی رکھتے۔ ان میں تصنیف و تالیف کا ذوق پیدا کیا۔ انشاء پردازی اور اردو نگاری میں وہ دہلوی انداز کو پسند کرتے تھے۔ خواجہ حسن نظامی، ملا واحدی صاحب، عزیز حسن بقائی صاحب مدیر پیشوا سے گہرے روابط رکھتے تھے۔ خواجہ حسن نظامی سے مسلک کے اختلاف کے باوجود بہت قریب تھے۔ وہ تاحیات خواجہ صاحب سے ملتے رہے اور خواجہ صاحب بھی اپنے اخبار کے روزنامچوں میں جابجا ان کا تذکرہ لکھتے۔

والد صاحب خاندانی اہل حدیث نہیں تھے۔ بلکہ مطالعہ و تحقیق کے بعد انھوں نے مسلک اہل حدیث قبول کیا تھا۔ وہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت بھی تھے۔ چونکہ سیاحت کے بہت شوقین رہے اس لئے ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں گھومے پھرے اور نمایاں علمی و دینی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔ وہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری صاحب سے ان کی قیام گاہ پر ملے۔ جہاں انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے گمراہ ہونے اور ان کی تحریک کے اثرات مرتب ہونے کے بارے میں حضرت مونگیری صاحبؒ سے سوالات کئے۔ حضرت مونگیریؒ نے فرمایا کہ مرزا اپنی بعض کتابوں کی مقبولیت کی وجہ سے گمراہ ہوا ہے۔

تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ میوات کے نیم کا گاؤں میں مقیم ہوئے۔ جہاں وہ بچوں کو مکتب میں تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ مقامی مسجد میں امامت و خطابت بھی کرتے تھے۔

قومی و ملّی خدمات

انھوں نے دیکھا کہ علاقہ میوات میں بہت جہالت ہے۔ لوگ بدعات و خرافات میں مبتلا ہیں۔ تعلیم کا نام ونشان نہیں۔ اس لئے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور مختلف چھوٹے چھوٹے رسائل اصلاح میوات واصلاح میوان، ناسوران میوات کے نام سے مرتب کر کے شائع کئے۔ ایک کتاب مختلف مذاہب کو

سمجھنے کے لئے "منقد الادیان" کے نام سے مرتب کرکے شائع کی۔ ۱۹۱۹ء میں انھیں میوات اور میو قوم کی تاریخ لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک مختصر سا کتابچہ "تاریخ میوات" کے نام سے مرتب کرکے شائع کیا۔ مگر اس سے تسلی نہ ہوئی تو ایک مبسوط کتاب "تاریخ میو چھتری" کے نام سے مرتب کرنے کا عزم کیا جس کے لئے وہ سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی میو برادری کے افراد سے ملے۔ راجپوتانہ اور خانزیوں کی لائبریری اور پوتھی خانوں میں بھی گئے۔ نیپال کی ترائی، بہار، بنگال، مالوہ، مرہٹواڑہ وغیرہ مقامات اور علاقوں میں پہنچے تاکہ بھرپور معلومات فراہم کرسکیں۔ اور کتاب زیادہ سے زیادہ تحقیقی مستند اور معلوماتی بن سکے۔

"تاریخ میو چھتری" کی تصنیف میں انھوں نے اپنی زندگی کا قیمتی وقت صرف کیا۔ میں جب سن شعور کو پہونچا تو دیکھا کرتا کہ وہ مکان کے درخت کے سایہ تلے بیٹھ کر کتاب لکھنے میں مصروف ہیں۔ فارسی، اردو، عربی، تاریخی کتابوں کے حوالے تو خود ہی دیکھ کر نقل کرتے۔ اور ہندی انگریزی حوالوں کے تراجم اسی زبان کے ماہرین سے کراکے نقل کرتے۔ انھوں نے راجپوتانہ اور میوات کا کوئی مشہور کبیشر (جاگا ماہر انساب) یا مراثی ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات کرکے معلومات حاصل نہ کی ہو۔ وہ آثار و کھنڈرات کے معائنے کے لئے خود گئے۔ تاکہ وہاں سے کتبات اور آثار دیکھ کر تاریخی حالات کا جائزہ لے سکیں۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں ہمارا گاؤں نیم کا بلوائیوں نے جلا دیا۔ والد صاحب اور بڑے بھائی کبیر احمد تو گھر سے باہر تھے۔ میں اور ہمارے خاندان کے دوسرے افراد نہایت بے سروسامانی کی حالت میں گھر سے نکلے۔ اس وقت میں نے یہ سمجھ کر یہ مسودہ (تاریخ میو چھتری) قیمتی چیز ہے۔ اور والد صاحب اس میں برابر محنت کرتے ہیں چلتے وقت اناج کی کوٹھی میں ڈال دیا تھا۔ گاؤں جلنے کے بعد اگلے دن جب میرے بڑے بھائی جلا ہوا گھر اور سامان دیکھنے گئے تو اناج کی کوٹھی کے اناج میں آگ لگ چکی تھی۔ اور تاریخ کا یہ مسودہ آگ کی تپش سے گرم ہو چکا تھا۔ انھوں نے جاکر اسے فوراً اٹھا لیا۔ اور معجزانی طریقے پر والد صاحب کی بہت بڑی محنت کا حاصل محفوظ مل گیا۔ اگر یہ دو تین گھنٹے کی تاخیر سے پہونچتے تو اناج کے ساتھ اس مسودے کا جل جانا یقینی تھا۔ جبکہ گھر کا سارا ہی سامان و کتب خانہ وغیرہ خاک ہو چکے تھے۔

یہ اہم ترین کتاب والد صاحب کی حیات میں شائع نہ ہو سکی۔ تاہم ۱۹۷۳ء میں راقم الحروف نے اسے جدید ترتیب، اضافات کے ساتھ مولانا آزاد میوات اکیڈمی کی جانب سے شائع کر دیا۔

دہلی میں تعلیم کے دوران ہی والد صاحب کی ملاقات ہمارے قومی رہنما چودھری محمد یسٰین خاں صاحب مرحوم سے ہوئی۔ والد مرحوم تو مدرسہ فتحپوری میں زیر تعلیم تھے اور چودھری صاحب سینٹ سٹیفن کالج دہلی سے گریجویشن کر رہے تھے۔ چودھری صاحب کو قومی و ملی مسائل میں گہری دلچسپی تھی۔ والد صاحب بتایا کرتے کہ وہ دہلی میں ان سے ملاقات کے دوران اکثر میوات کے نقشے اور اس پر ترقیاتی پروگراموں کی اسکیمیں بناتے۔ اور مجھے ان سے آگاہ کرتے چنانچہ جب ہم دونوں میوات واپس ہوئے تو انھوں نے نوح میں ایک قومی ہائی اسکول قائم کرنے کی اسکیم بنائی۔ اور اس کے لئے پوری قوم سے چندہ وصول کرنے کا پلان بنایا۔ یہ چندہ والد صاحب نے پہلے پہل اپنے گاؤں نیم کا اور اس کے قریبی موضع بچھور سے دلوایا۔ ۱۹۲۱ء میں اس اسکول کا سنگ بنیاد اس وقت کے وزیر تعلیم جناب میاں سر فضل حسین مرحوم نے رکھا۔ الحمد للہ یہ اسکول موجود ہے۔ اور اب کالج بن چکا ہے

اور والد صاحب مرحوم نے قومی اصلاح و تعمیر اور بیداری پیدا کرنے کے لئے ۱۹۲۶ء میں اخبار "آفتاب میوات" جاری کیا۔ جسے وہ دہلی میں طبع کراتے اور نیم کا ہوڈل سے پوسٹ کرتے تھے۔ جو ۱۹۳۳ء تک جاری رہا۔

۱۹۳۲ء میں الور تحریک شروع ہوئی۔ جو پوری میو قوم نے مہاراجہ الور کے مظالم اور ناانصافیوں کے خلاف شروع کی تھی۔ اس تحریک کے رہنما چودھری محمد یسٰین خاں صاحب تھے۔ والد صاحب نے اس تحریک میں چودھری صاحب سے بھرپور تعاون کیا جس کے نتیجہ میں الور کے راجہ کو معزول ہونا پڑا۔ اس تحریک سے پہلے حکیم صاحب مرحوم اپنی سیاسی دلچسپیاں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ رکھتے تھے۔ مگر جب بعض کانگریسی لیڈران نے الور تحریک میں میوؤں کی مدد نہیں کی۔ اور مہاراجہ سے خراج وصول کرتے رہے تو حکیم صاحب کی دلچسپیاں کانگریس کے ساتھ کم ہو گئیں۔ اور ۱۹۴۲ء کے عبوری الیکشن میں انھوں نے مسلم لیگ کی مدد کی۔

اسی دوران میں قومی تنظیم "آل انڈیا میو پنچایت" قائم ہوئی۔ جو ہندوستان کے ۴۰ لاکھ میوؤں کی واحد تنظیم تھی۔ جس کا مقصد قوم میں اصلاحی، تعمیری، تعلیمی پروگراموں کو فروغ دینا تھا۔ حکیم صاحب مرحوم چونکہ قومی کاموں اور پروگراموں میں کلیدی حیثیت رکھتے تھے اس لئے میو پنچایت کے جلسوں، میٹنگوں اور پنچایتوں میں برابر شریک رہتے اور ان کی کارگذاریاں اخبار میں چھاپتے۔ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے نمایاں افراد برادری سے خط و کتابت و تعلق رکھتے۔

قومی اصلاحی لٹریچر اور کتابوں کی اشاعت پر ہمیشہ توجہ رکھی۔ مختلف دیہات میں دینی مکاتب و مدارس بھی قائم کرائے۔ ۱۹۳۲ء میں ایک اور قومی تنظیم "انجمن اتحاد و ترقی میوات" کے نام سے قائم ہوئی۔ حکیم صاحب نے اس کے پروگراموں میں بھی بھرپور دلچسپی لی۔ ڈاکٹر موسیٰ خاں صاحب مرحوم، مولوی احمد جان صاحب مرحوم، چودھری مہتاب خاں مرحوم ایم ایل اے، خان بہادر سردار محمد خاں صاحب وغیرہم اس تنظیم کے روح رواں تھے۔

۱۹۳۳ء میں اخبار "آفتاب میوات" بند ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اپنا زیادہ وقت مطالعہ اور "تاریخ میو چھتری" کی تالیف میں گذارتے۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامے جب شروع ہوئے تو اس سے میوات کا امن و امان برباد ہو گیا۔ ہمارا گاؤں نیم کا جل چکا تھا۔ ہم یہاں سے ہجرت کرکے شکراوہ بسا کر آباد ہو گئے۔ مگر والد صاحب پر مصائب و آلام کا ایک پہاڑ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ ہمہ وقت بے چین رہتے۔ چار دن سے

طرف سے میوؤں کی بربادی، قتل و غارت گری اور ان کے دیہات کو جلائے جانے کی خبریں آرہی تھیں۔ اڑوس پڑوس کے جاٹ اور اہیروں نے میوات پر حملہ بول دیا تھا۔ ادھر الور، بھرت پور اور جے پور کی ریاستوں نے میوات پر الگ سے یلغار کر دی۔ وہ عرصہ سے انتقام لے رہے تھے۔ اور میوات کو برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے حالانکہ میوؤں کی سیاست آخر دم تک انگریزوں کی غلامی کا دم بھرتی رہی۔ مگر فضا میں فرقہ واریت تھی۔ ایک طرف تو اکثریت کا زعم تھا۔ دوسری طرف ہتھیار، فوج، اور وسائل خوب تھے۔ پھر بعض مہاسبھائی ذہنیت کے مرکزی لیڈران نے سگنل دے دیا تھا کہ دہلی کے قریب اتنی بڑی مسلمان آبادی کا موجود رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اس لئے ریاستوں نے اپنی فوج اور پولیس کے ذریعہ قتل و غارت گری میں کوئی کمی نہیں کی۔ چاروں طرف سے میوات کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ رسل و رسائل کی سہولتیں ختم ہو گئیں۔ الور و بھرت پور کے میو گھس کر میوات کے اس حصے میں آگئے۔ جو پنجاب کا حصہ تھا۔ مگر یہاں بھی خیریت نہیں تھی۔ پولیس نے لوگوں کو بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ فیروز پور جھرکا کے جلسہ میں الور کی فوج نے نہتے میوؤں پر گولیاں برسائیں۔ جہاں کئی سو آدمی مارے گئے۔ اور انہیں پاکستان ہجرت کر جانے پر مجبور کیا۔ چنانچہ میوات کی آبادی قافلے بنا بنا کر پاکستان ہجرت کرنے لگی۔

چودھری محمد یٰسین خاں مرحوم تو گرفتار ہو چکے تھے اور دوسرے رہنمایان گرامی بھی گو مگو اور پریشانی میں تھے۔ کسی کا کوئی اتا پتہ نہیں تھا۔ کوئی جیل میں تھا اور کوئی روپوش ہو گیا۔ والد صاحب ان دنوں مدرسہ دار العلوم شکراوہ کی عمارت کے باہر نیم کے درختوں کے سائے میں بیٹھے رہتے۔ اور آنے والوں کو دم دلاسا دیتے رہتے۔ ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ دہلی سے انھوں نے برابر ربط قائم رکھا۔

سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ لوگ یہاں رہیں یا پاکستان ہجرت کر جائیں۔ پاکستان سے رفیوجی آجانے کے بعد دہلی میں بھی فسادات و غارت گری کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ لوگ انتقام پر تلے ہوئے تھے۔ گاندھی جی نے اپنی سبھاؤں میں امن کا پرچار کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب فسادات کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اور مولانا آزاد مرحوم نے ان سے جا کر شکایت کی۔ تو انھوں نے اس وقت ہوم منسٹر سردار پٹیل سے کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ چنانچہ گاندھی جی نے اپنی جان کی بازی لگانا شروع کر دی۔ اور وہ مرن برت رکھنے لگے۔ مولانا آزاد مرحوم اور دوسرے کانگریسی لیڈران نے ڈاکٹر گوپی چند بھارگو چیف منسٹر پنجاب کو توجہ دلائی کہ وہ چودھری یٰسین خاں کو رہا کر دیں۔ ان کی رہائی کے بعد میوات کے نمائندگان کا ایک وفد ان کی قیادت میں گاندھی جی سے ملا۔ اور انھیں قیام امن کے سلسلہ میں توجہ دلائی۔ نیز یہ بھی بتایا کہ وہ لوگ پاکستان ہجرت نہیں کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر گاندھی جی نے انھیں یقین دلایا کہ وہ پاکستان ہجرت نہ کریں اور وہ خود میوات آکر لوگوں کی ڈھارس بندھائیں گے۔ چنانچہ وہ ۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو گھاسیڑہ تشریف لائے۔ اور انھوں نے میوات کے میو مسلمانوں کو پاکستان جانے سے منع کیا اور کہا کہ انھیں دوبارہ ان کے گھروں میں آباد کیا جائے گا۔

والد صاحب مرحوم اس سارے پروگرام میں شریک رہے۔ ان کا ربط جمعیۃ علمائے ہند کے لیڈران مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم اور دوسرے حضرات کے ساتھ قائم تھا۔ چونکہ حکیم صاحب لوگوں کو پاکستان ہجرت کرنے سے روک رہے تھے۔ اس لئے پولیس اور فرقہ پرست ان کے دشمن بن گئے۔ ایک روز نوح کے مقام پر انھوں نے جب جمعہ کے خطبہ میں جبری انخلاء کی مذمت کی۔ تو مخبروں کی اطلاع پر ایک دستے نے ان کا تعاقب کیا وہ اس وقت کئی ساتھیوں کے ساتھ مدرسہ معین الاسلام نوح کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ پولیس انھیں نہیں پہچان پائی۔ اور سیدھی اندر چلی گئی۔ اسی اثناء میں یہ وہاں سے نکل کر شہر کے اندر سے ہوتے ہوئے فیروز پور تک پہنچے۔ جہاں سے رات میں انھیں بیل گاڑی کے ذریعہ شکراوہ پہونچایا گیا۔

لکھنؤ میں جب مولانا آزاد مرحوم کی صدارت میں اتحاد کانفرنس ہوئی۔ تو والد صاحب میوات کے مستقبل کی تلاش میں جان ہتھیلی پر رکھ کر تن تنہا یہاں بھی گئے۔ جہاں سے وہ ہجرت نہ کرنے کا پیغام لے کر آئے۔ راستہ دہلی اور گوڑگانوہ ہوتے ہوئے تھا۔ چنانچہ رفیوجیوں نے انھیں بے حد پریشان کیا۔ گوڑگانوہ میں ان کے کپڑے وغیرہ چھین لئے۔ وہ قتل کر دیئے جاتے مگر ایک ہندو وکیل دوست شری ناتھو رام جین کی مداخلت سے بچ گئے۔ اور انھوں نے انھیں محفوظ طریقہ پر شکراوہ پہونچایا۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو گاندھی جی کا قتل بہت ہی اندوہناک تھا۔ لیکن اس حادثہ نے حکومت کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا۔ اس وقت سرکار نے یہاں مدراسی فوجی دستوں کو تعینات کر دیا۔ جو نہایت امن پسند تھے۔ ان دستوں نے دہلی اور میوات میں تمام شر پسند عناصر کو سختی سے دبایا۔ امن قائم ہونے پر پاکستان ہجرت کرنے والے قافلے بند ہو گئے۔ تمام میوات کی نصف آبادی پاکستان ہجرت کر چکی تھی۔ جو باقی بچی اس کے لئے دوبارہ آباد کرنے کا مسئلہ تھا۔ کیونکہ ان کی جائدادوں پر رفیوجی آکر قابض ہو گئے۔ والد صاحب کی کوششوں سے ایک نہایت اہم امن کانفرنس شکراوہ میں منعقد ہوئی۔ جس میں متعدد کانگریسی لیڈروں کو دعوت دی گئی۔ اور دوبارہ آبادکاری کی اسکیم بنائی گئی۔ بڑا مسئلہ الور و بھرت پور کے میوؤں کی آبادکاری کا تھا۔ ان کے مکانوں اور جائدادوں میں رفیوجی آکر گھس گئے تھے۔ لیکن بعد از خرابیٔ بسیار مہاتما گاندھی کے کچھ ساتھیوں کی دخل اندازی اور بعض مسلم لیڈران کی توجہ سے آبادکاری مکمل ہوئی۔

اب چونکہ ہندوستان بالکل نئے دور میں داخل ہو چکا تھا۔ اور یہاں کی مسلم آبادی نئے مسائل سے دوچار تھی۔ والد صاحب نے میوات کے تعلیمی، اقتصادی محاذ کو مضبوط کرنے اور حالات سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی۔ دار العلوم شکراوہ میں قائم شدہ پرائمری اسکول کو انھوں نے ترقی دی۔ وہاں لائق اساتذہ بھرتی کر کے سرکاری نصاب کے مطابق تعلیم شروع کرائی۔ جس میں ادب اردو کے ساتھ ہندی بھی ذریعہ تعلیم تھی۔ (باقی آئندہ)

مولانا ثناء اللہ عمری

ایک ہفتہ دکن میں

(مسلسل)

یہاں سے نکل کر ہم لوگ پانچ دس منٹ کے اندر گول گنبد پہنچے۔ جسے مقامی بولی میں "بولی گنبد" کہتے ہیں، کیونکہ اس گنبد کے اندر صدائے بازگشت سات بار گونجتی ہے۔ اور اردو کے اس مصرعہ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اس عمارت کی تعمیر ۱۶۲۹ء سے ۱۶۵۶ء تک ۲۷ برس میں پوری ہوئی ہے۔ اونچائی تقریباً دو سو فیٹ، گنبد کا قطر ۱۴۴ فیٹ اور عمارت کا مجموعی احاطہ ۱۸،۳۳۸ مربع فیٹ ہے۔ اس کے اندر سطح زمین کے برابر والے حصے میں جو قبریں ہیں وہ مصنوعی ہیں، اصل قبریں تہہ خانے کے اندر ہیں، جس کا راستہ بند ہے۔ یہ عمارت گویا سلطان محمد عادل شاہ کا "تاج محل" ہے، اس میں سلطان اور اس کے دیگر افراد خاندان کی قبریں ہیں۔

اس کے چار مینار ہیں، اور ہر مینار سات منزلہ اور اس کے اندر چکردار سیڑھیاں، ان سب سے گذر کر اوپر پہنچتے ہیں تو ایک گیلری ملتی ہے اور اسی پر گنبد قائم ہے۔ گنبد کا حصہ اس قدر حساس ہے کہ ہلکی سے ہلکی آواز بھی ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹیلیفون کی طرح سنائی دیتی ہے۔

اللہ شاہان سلف کو معاف کرے اور اپنے فضل و کرم سے انکی قبریں ٹھنڈی رکھے، وقت، محنت، دولت اور صنعت کا کس قدر غیر شرعی اور مجرمانہ اسراف ہے۔ جس کے یہ لوگ مرتکب ہوئے ہیں، ہندوستان کے عظیم فرماں رواؤں میں اس سلسلہ کی مستثنیٰ فال غالباً اورنگ زیب عالمگیر ہی کی ہے، جو اس "عزیب عمارت" کا شکار نہیں ہوا۔

ان عادل شاہی آثار کے نگران جوشی صاحب سے ملاقات ہوئی، بڑے تپاک سے ملے، چائے پلائی۔ بڑی اچھی اردو بول رہے تھے۔ بات چیت سے ذہن کی سنجیدگی کا پتہ چلتا تھا۔ ایک فارسی کتاب "محمد نامہ" کھول کر سامنے رکھ دیا، جو عادل شاہی عہد کا ایک نثری مخطوطہ ہے۔ کہہ رہے تھے کہ ایسے بے شمار مخطوطات اس میوزیم کی زینت ہیں۔ جوشی صاحب نے اپنے خاندانی حالات پر بھی روشنی ڈالی اور بڑی دلدوز تفصیلات سنائیں۔ دوران گفتگو جب علماء سے سوال کیا کہ عہد حاضر کی "روشن خیالی" کی روک تھام کے لئے مسلمانوں میں کیا کوشش ہو رہی ہے؟ جواباً کچھ عول غال پر اکتفا کر لینا پڑا، کیونکہ ۔

ای تحت راچہ جواب ست تو ہم می دانی

بیجاپور یکے بعد دیگرے کئی حکمراں خاندانوں کے زیر نگیں رہا ہے۔ اور ان سب کے آثار و علائم سے بھرا پڑا ہے۔ ان تمام مکانات کا سرسری معاینہ بھی وقت چاہتا ہے۔ اور یہاں اسی کی کمی تھی۔ ناچار کئی چیزوں کے معاینہ کو آئندہ کی امید پر چھوڑ دینا پڑا۔

مجھے رہ رہ کر ایک بات یاد آرہی تھی، سنہ ۱۹۲۱ء کی بات ہے کہ مولانا محمد علی جوہر مدراس جاتے ہوئے والٹیر اسٹیشن پر گرفتار کر لئے گئے، کراچی پہنچائے گئے وہاں دونوں بھائیوں پر بغاوت کا مقدمہ چلا۔ دو دو سال قید سخت کی سزا ہوئی، کراچی میں قید رہے۔ اور بقول شاعر ۔

جانگیا تم نے کمبل کا پہنا
آدھی ٹانگوں سے بالکل برہنہ

سنہ ۱۹۲۲ء میں کراچی سے اسی بیجاپور کو منتقل کر دیئے گئے۔ اور دوسرے برس یہیں سے رہا ہوئے۔ یہ نظر بندی پوربوں، رہزنوں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کے ساتھ کٹی تھی۔ بیمار بیٹی آمنہ کو خطاب کرتے ہوئے تسلیم و رضا کے اس پیکر نے اسی بیجاپور کے قیدخانے سے لکھا تھا ۔

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

مختصر یہ کہ میں وہ در و دیوار دیکھنا چاہتا تھا جہاں رئیس الاحرار قید تھے، ممکن تھا کہ پتہ چل جاتا، مگر مغرب کا وقت قریب تھا۔ اور رات کے پروگرام کے بعد صبح یہاں سے نکل جانا تھا۔ لہٰذا یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی اور میں اس آرزو کو بھی مستقبل کے حوالے کر کے نکل گیا۔

مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ عادل شاہی ہوٹل کے لان پر پڑھی گئیں۔ ایک امریکن جوڑا اب بھی موجود ٹکٹکی باندھے قیام، رکوع، سجود اور سلام کے حرکات و سکنات بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور [illegible] تھا۔

بعد ازاں ہم سب سقاف روضہ گئے، جو بیجاپور کا ایک محلہ ہے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب بھی شولاپور سے تشریف لا چکے تھے۔ سب نے محمد حسین صاحب کے سسرال میں رات کا کھانا کھایا۔

کچھ دیر بعد اسی محلے کے ایک سہ راہے پر محفلِ وعظ منعقد ہوئی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے صدارت فرمائی۔ اور مولانا محمد اسلم، مولانا عبدالمتین، مولانا عبدالوکیل، مولانا عبدالرشید صاحبان اور راقم الحروف نے تقریریں کیں۔ اعلان و اشتہار کے باوجود مجمع کچھ زیادہ نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ تین سو افراد رہے ہوں گے۔ ایک بجے یہ نشست برخاست ہوئی۔ اس کے بعد ہم لوگ عادل شاہی ہوٹل واپس ہوئے۔ محمد حسین صاحب نے اسی وقت خدا حافظ کہا اور گلبرگہ روانہ ہو گئے۔

رات اسی ہوٹل میں بسر کی۔ صبح نماز پڑھی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کی سربراہی میں سیدھے بس اسٹینڈ پہونچے۔ جو چند ہی قدم کے فاصلہ پر ہے سات بجے بس روانہ ہوئی۔ اب ہم شولاپور جا رہے تھے۔ راستے میں بس ایک آدھ جگہ رکی۔ ہم نے چائے پی۔ نو بج رہے تھے کہ مہاراشٹر کی سرحد شروع ہو گئی۔ کچھ ہی دیر بعد سڑک کی داہنی جانب ذرا فاصلے پر ایک آبادی نظر آئی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے بتایا کہ یہ "برور" ہے حاجی حضرت خاں مرحوم بانی مدرسہ لطیفیہ شولاپور کا آبائی وطن، معلوم ہوا کہ ادارہ اصلاح المساجد بمبئی کے زیرِ اہتمام یہاں ایک مسجد بن گئی ہے۔ جماعت اچھی خاصی موجود ہے۔

حاجی حضرت خاں کا نام سنتے ہی مجھے یکے بعد دیگرے وہ تمام باتیں یاد آنے لگیں جو میں نے اپنے والد مرحوم سے ان مرحوم کے متعلق سنی تھیں۔ ان کا تقویٰ، علم اور اہلِ علم کی قدردانی، راہِ خدا میں داد و دہش، اسلامی شعائر کی پابندی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتنے بڑے رئیس، مگر باپ بیٹوں میں حد درجہ انکسار۔ سچ ہے۔ ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

میں انہی خیالات میں محو تھا کہ بس شولاپور کے مضافات میں داخل ہو گئی۔ مولانا اسماعیل صاحب نے سڑک کی بائیں جانب ایک وسیع قطعۂ زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حاجی حضرت خاں مرحوم کی جگہ ہے۔ اس کے دو حصے کیے جانے والے ہیں۔ دو نئے محلے بسیں گے۔ ایک حضرت مولانا سید عبداللہ مدنی مرحوم کے نام پر (مدنی نگر) اور دوسرا حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے نام پر "آزاد نگر"۔ اللہ نے چاہا تو مسجد بھی بنے گی اور مدرسہ لطیفیہ کی نشاۃ ثانیہ بھی ہوگی۔ راہ میں مشکلات ہیں۔ مگر کوشش جاری ہے۔

حاجی حضرت خاں مرحوم کے ایک پوتے جناب عبدالقدوس خاں جواں سال بھی ہیں، اور جواں حوصلہ بھی۔ ان شاء اللہ نامور دادا کا نام روشن کریں گے۔ یہ خوش آئند خبر سن کر اس نیاز مند کا عجیب حال ہو گیا۔ دل کی گہرائیوں سے ان کی کامیابی کی دعا نکلی۔ اللہ قبول فرمائے۔ ؎

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

دس بج رہے تھے کہ ہم شولاپور پہنچ گئے۔ حضرت خان ہاؤس میں ناشتہ کیا۔ پھر قلعہ کی مسجد اہلِ حدیث میں فروکش ہوئے۔ جی ہاں! یہاں ایک قلعہ ہے۔ بہمنی عہدِ حکومت کی یادگار، جب اس سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تو سلطنت بیجاپور اور احمد نگر کے مابین اس قلعہ کے بارے میں بھی بڑی سخت نزاع تھی۔ فریقین میں سے ہر ایک کی اس پر نظر تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حاکم احمد نگر کی صاحبزادی چاند بی بی کا نکاح بیجاپور کے حاکم علی عادل شاہ سے ہوا تو یہ قلعہ جہیز میں دے دیا گیا۔ اس طرح یہ پرانا قضیہ منفصل ہوا۔ واللہ اعلم

چونے گارے کے اس قلعہ سے قریب آج سے ساٹھ ستر سال قبل دین کے علم و عمل کا ایک قلعہ تعمیر ہوا تھا۔ اس کے معمار حاجی حضرت خاں تھے۔ نگراں حضرت مولانا عبداللہ مدنی تھے میری مراد مدرسہ لطیفیہ سے ہے۔ جہاں سے حافظِ قرآن اور عالمِ دین بن کر کئی ایک افراد نکلے تھے ان میں میرے والد مرحوم مولانا حافظ عبدالواحد بھی تھے۔ یہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ اس مدرسے کی عمارت معمولی سی ہے۔ مگر اس نے نہایت غیر معمولی خدمت انجام دی ہے۔ میں نے اس کے قدیم اور خستہ در و دیوار سے عجیب طرح کا انس محسوس کیا۔

میں سوچنے لگا۔ ایک زمانہ تھا کہ شولاپور کی فضائے بسیط قال اللہ و قال الرسول کی ایمان افروز صداؤں سے معمور تھی۔ یہ صدائیں آج خاموش ہیں۔ مگر ان کی بازگشت ہندوستان کے ان تمام مقامات پر سنی جا سکتی ہے۔ جہاں "فیضانِ مدنی" پہنچا ہے۔ ؎

سالہا گوشِ جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبدِ گرداں زدہ است

شولاپور کے خصوصی کرم فرماؤں میں مدنی خانوادے کے افراد قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا مدنی کے صاحبزادے جناب سید رشید احمد مدنی اس ہیچمداں کی تعظیم و تکریم میں کہنا چاہیے بچھے جا رہے تھے۔ دوسرے نمبر پر حضرت خان ہاؤس کے جناب عبدالقدوس خاں صاحب ہیں۔ بڑے فعال، ملنسار، مہمان نواز، دین و ملت کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس خاندان کے بعض دیگر افراد بھی بڑے خلیق ہیں۔ پھر جماعت کے احباب، والد مرحوم کے شناسا اور دوست، رہے مولانا حافظ محمد اسمٰعیل صاحب تو انکی شفقت اور ذرہ نوازی اس سفر کے ہر مرحلے اور ہر منزل پر میرے شاملِ حال رہی۔

۱۰ جولائی کی سہ پہر "رنگ بھون" میں میری انگریزی تقریر ہوئی۔ عنوان تھا "مسلم پرسنل لا"، جلسہ کی صدارت ایک مشہور مقامی وکیل جناب عبدالغفور صاحب خیردی کر رہے تھے۔ حاضرین میں مسلمان زیادہ، غیر مسلم کم تھے۔ مجموعی تعداد پانچ سو رہی ہوگی پانچ سے ساڑھے چھ تک۔ سبھوں نے تمام پروگرام بڑی توجہ سے سنا۔ تقریر ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔ اس پر صدارتی تبصرہ بیس، پچیس منٹ تک رہا۔

متفرقات

انتخاب جدید جمعیت اہل حدیث بوراوڑ ضلع ناگور (راجستھان)

۶ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ / ۲۲ اگست ۱۹۸۵ء کو جمعیت اہل حدیث بوراوڑ کا انتخاب جدید عمل میں آیا جس میں جمعیت کے مندرجہ ذیل نئے عہدیداران چنے گئے :-

(۱) امیر جماعت :- حاجی حبیب اللہ صاحب ولد داؤد جی مقیم حال سورت (گجرات)
(۲) نائب امیر :- فقیر محمد صاحب ولد دین محمد جی
(۳) ناظم :- محمد سلیمان ولد حاجی لال محمد جی
(۴) خازن :- نور محمد صاحب عرف ناگو جی

اسماء گرامی مجلس عاملہ

(۱) عبداللہ صاحب ولد حکیم ستمن علی
(۲) محمد سلیمان ولد محمد رمضان
(۳) حسام الدین ولد شہاب الدین جی
(۴) تاج الدین صاحب ولد لال محمد جی
(۵) مشتاق احمد ولد نور محمد صاحب

عبدالجبار رنگودی
خادم جمعیت اہل حدیث بوراوڑ ضلع ناگور (راجستھان)

جمعیت اہل حدیث قصبہ سانڈی، ضلع ہردوئی کا اجلاس عام

مورخہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ نومبر ۱۹۸۵ء، یوم چہارشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ کو ہونا قرار پایا ہے۔ جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں تقریر فرمائیں گے۔ گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ تشریف لاکر ثواب دارین حاصل کریں۔

مدعو علماء کرام

۱۔ جناب مولانا محمد بنیامین محمدی، ناظم ادارہ احیاء الاسلام (ہریانہ)
۲۔ شاعر اسلام حضرت مولانا الحاج ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اسلم کانپوری۔
۳۔ حضرت مولانا الحاج قاری عبدالرشید صاحب علیگ خانجہانپوری
۴۔ حضرت مولانا قاری اشیر الدین صاحب شکر اوی
۵۔ شاعر اسلام جناب مولانا ذکر اللہ صاحب ذاکر ندوی، لکھنؤ وغیرہ

المعلن :- ناظم انجمن اہلحدیث قصبہ سانڈی۔ ضلع ہردوئی۔

مساجد کانفرنس

ادارہ اصلاح المساجد بمبئی کے زیر اہتمام مورخہ ۱۶، ۱۷ نومبر ۱۹۸۵ء کو مئو ناتھ بھنجن یو۔پی، میں دو روزہ مساجد کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں ائمہ کی تربیت، مساجد میں مصلیان کی تربیت و تعلیم، مساجد میں عورتوں کے نماز باجماعت کے انتظامات وغیرہ مسائل زیر بحث آئیں گے۔ ہندوستان کی ممتاز شخصیتیں شرکت کر رہی ہیں۔

۱۷ نومبر ۸۵ء یوم اتوار عالیہ جنرل ہسپتال کا افتتاح بھی ہوگا۔ جس میں زعمائے کرام، وزراء اور لیڈران شرکت کریں گے۔

مختار احمد ندوی

رانچی میں جماعتی سرگرمیاں

رانچی میں جمعیت کی تاریخ پچھلی چار دہائیوں میں پھیلی ہے۔ شروع کے سالوں میں افراد (مسلکی) انگلیوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ تعداد کی کمی کے علاوہ مخالفین کا جارحانہ رویہ بھی در پے آزار رہا۔ اس کے باوجود بھی اس ابتلائی درمیانی دور میں بھی گنتی کے یہی افراد نے شمع حق کو بجھنے نہ دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفین کا زور بھی کم ہوتا گیا اور ادھر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔

یہ جمعیت کئی بار منظم ہوئی اور پھر نامساعد حالات کا شکار ہو کر اس کا شیرازہ بھی بکھرتا رہا۔ اسی حالت میں سال رواں کے ماہ مئی میں محترم مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب کا ایک سلسلے سے شہر رانچی آنا ہوا۔ محترم مولانا نے اہلحدیث حضرات سے ملاقات کرنی چاہی۔ چنانچہ مولانا محترم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قلیل وقت میں مسلکی بھائیوں کو یکجا کیا گیا۔ اور مولانا نے ان سے خطاب فرمایا۔ خطاب کے بعد اسی نشست میں جمعیت کی از سر نو تشکیل عمل میں آئی۔ اور فوراً ایک ایڈ ہاک کمیٹی بنائی گئی۔ بعد ازاں ایک مستقل کمیٹی کا از سر نو انتخاب عمل میں آیا جس کے حسب ذیل عہدہ داران منتخب ہوئے۔

۱۔ صدر۔ جناب محمد توحید صاحب
۲۔ جنرل سکریٹری۔ جناب عبدالغفار صاحب
۳۔ آفس سکریٹری۔ جناب محمد رضا علی صاحب
۴۔ خازن۔ جناب عبدالرشید صاحب

جہاں تک شہر رانچی میں تعداد افراد کا تعلق ہے اس ضمن میں عرض ہے کہ دوسرے مسالک کے مقابلے میں ہماری تعداد قلیل ہے۔ ہماری جمعیت سو سے کچھ اوپر افراد پر مشتمل ہے جمعیت سے تعلق رکھنے والے افراد مالی اعتبار سے کمزور ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس شہر میں ابتک ہماری کوئی مسجد بن سکی نہ ہی کوئی دینی ادارہ۔ اب جب کہ بفضل تعالیٰ ہماری تنظیم قائم ہو چکی ہے ہمارے ذہن بھی اس طرف پورے طور پر مائل ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم سب فنڈ اکٹھا کرنے کی سعی نہ صرف مقامی سطح پر کر رہے ہیں۔ بلکہ بیرون رانچی بھی مخیر حضرات سے مالی اعانت کی درخواستیں بھیجا چکی ہیں۔ ہمارے پروگرام میں اول قدم کے طور پر شہر رانچی میں ایک قطعہ زمین حاصل کر کے ایک مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کرنا ہے۔ اللہ سے دعا کریں کہ ہماری کوششوں میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ جمعیت کی نشست ہر سنڈے کو پابندی سے منعقد ہوتی ہے۔

(عبدالغفار)

R.N. No. 30852/78 Regd. No. MW/FBD/2

MAJALLA AHLE HADEES

SHAKRAWA VIA PUNHANA FARIDABAD-121104

...ARD NAGAR
...ANGIR. N.DELHI-62